تعزیراتِ اسلام

مولانا برق التوحیدی

# اسلام کا قانون قصاص

## قسط (۹)

**قولہ:** قاضی صاحب موصوف نے دفعہ ۲ ش ۱۲ میں لکھا ہے کہ "مرد اور عورت کے درمیان نفس سے کم میں قصاص جاری نہ ہوگا" (ترجمان القرآن جلد ۹۰ ع ۴ ص ۲۱)

**اقول** اس مسئلہ میں احناف اور مالکیہ وشوافع کے درمیان اختلاف ہے اور اس اختلاف کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ کیا عورت اور مرد کے اعضاء میں مماثلت ہے یا نہیں؟ احناف کے نزدیک یہ مماثلت مفقود ہے جب کہ جمہور کے نزدیک مماثلت و مساوات موجود ہے۔ احناف اپنے موقف کی تائید میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ مرد و زن کے اعضاء کی دیت میں فرق ہے لہٰذا مساوات نہ رہی۔ اب ہم دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ کونسا موقف صحیح اور قرین شریعت ہے لیکن تفصیل سے قبل یہ بات ذہن نشین رہے کہ احناف بھی مرد و زن میں بحیثیت نفس مساوات تسلیم کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جب مرد و زن باعتبار نفس آپس میں مساوات رکھتے ہیں تو اعضاء جو کہ نفس کے تابع ہیں ان میں مساوات نہ ہو۔ لیکن مرد و عورت کے اعضاء میں عدم مماثلت کو ناقص و تام اعضاء پر قیاس کرنا یقیناً غلط مبحث ہی نہیں بلکہ علم و آگہی سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے کیونکہ یہاں تو عدم مماثلت مبنی بر جنس ہے جب کہ وہاں جنس کے اعتبار سے قطع نظر صفات ظاہریہ کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ جو مماثلت معتبر ہے وہ ظاہری ہے اسی وجہ سے یمنی، یسری اور ناقص و کامل کا فرق کیا جاتا ہے اور دوسری عدم مماثلت دین کی بنا پر ہو سکتی ہے۔

**قولہ** قصاص لیتے وقت تمام ورثاء کا موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ ہو سکتا ہے جو ولی غائب ہو وہ معاف کر دے (دفعہ ۵ ش ۴)

**اقول** لیکن جب موصوف کو یہ تسلیم ہے کہ ایک وارث باقی ورثاء کی طرف سے باجازت

قصاص لے سکتا ہے تو پھر حاضری کا وجوب چہ معنی؟ اسی طرح جب نابالغ کے بلوغ کا انتظار شرط نہیں تو یہ انتظار کیوں؟ جب کہ وہاں بھی ممکن ہے کہ بالغ بعد از بلوغت اُسے معاف کر دے یا دیت اخذ کر لے بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ ولی نابالغ کو حق عفو سے محروم کیا جانا بھی تسلیم ہو۔

**آلہ قصاص** اس بات میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کیا قصاص بالمثل ضروری ہے یا نہیں —؟ احناف کے نزدیک قصاص صرف تلوار ہی سے لیا جا سکتا ہے جب کہ باقی جمہور علماء کا مسلک ہے کہ جس طرح قاتل نے قتل کیا ہو اُسی طرح قتل کرنا چاہیے الا یہ کہ کوئی شرعی مانع موجود ہو۔ قاضی موصوف نے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو ترجیح دیتے ہوئے جمہور کے دلائل کے متعلق فرمایا ہے کہ "ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به" جیسی آیات سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعدی اور زیادتی منع ہے حالانکہ یہاں تعدی صوری و معنوی مراد ہے تبھی تو موصوف کے آئندہ معارضہ کا جواز ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ قرطبی نے "فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ" کے عموم کو متفق علیہ کہا ہے علامہ جزیری مماثلت کے اس عمومی مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

"یشترط ان تراعی المماثلة فی طریق القتل و تراعی فی الکیفیة و المقدار ففی التجویع یحبس مثل تلک المدة و یمنع عنه من الطعام فی الالقاء فی الماء او النار یلقی فی ماء و نار" (فقہ علی المذاہب ج۵ ص۳۰۰)

اس کے علاوہ انہی دو آیات کے تحت خود شوافع و احناف کا دعویٰ ہے کہ ایسی چیز میں جن کا وزن وغیرہ نہ ہو سکے اُن میں مماثلت ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"فقال الشافعی و ابوحنیفة و اصحابهما وجماعة من العلماء علیه فی ذلک المثل ولا یعدل الی القیمة الا عند عدم المثل۔ لقوله تعالیٰ فمن اعتدیٰ علیکم و قوله تعالیٰ و ان عاقبتم فعاقبوا قالوا وهذا عموم فی جمیع الاشیاء کلها ....... لاخلاف بین العلماء ان هذه الآیة اصل فی المماثلة فی القصاص فمن قتل بشئ قتل بمثل ما قتل به وهو قول الجمهور" (تفسیر قرطبی ج۲ ص۳۵۸)

یعنی اس آیت کے عموم تماثل میں کسی کو اختلاف نہیں اور جمہور کا بھی اس آیت کی بنیاد پر یہی مسلک ہے کہ قتل میں مماثلت ہونی چاہیے لیکن افسوس کہ اعضاء و جوارح اور دیگر تعزیری معمولات میں مماثلت کو بنیاد بنانے والے یہاں پر کیوں کلیۃً تماثل سے فرار اختیار کرتے ہیں۔

بنا بریں میں اس مقام پر اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ میرے مطالعہ و مشاہدہ یا معلومات کی حد تک یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچی ہے کہ حضرات احناف ایک طرف جہاں باب الحیل کا سہارا لے کر مذہبی دنیا میں عیش و عشرت کے طالب ہیں وہاں انہیں اس بات میں بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ اگر انہیں کسی مقام پر حدیث کے برعکس اپنے مسلک کو ٹھیس پہنچتی نظر آئے تو وہ حدیث کو ضرور ترک کر دیں گے۔ اس ضمن میں خواہ اُن کے اپنے اصول بھی نظر انداز ہو جائیں۔ یعنی آپ دیکھیں کہ بہر طور انہیں جمہور کی مخالفت مقصود ہے قطع نظر اس سے کہ قرآن و حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے یا نہیں؟ ان کے اصول انہیں اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ جیسا کہ آپ اس موقع پر دیکھ رہے ہیں دراصل یہ تمام فتنہ تقلید ہی کی شر انگیزیاں ہیں، اعاذنا اللہ منہ۔

**احادیث** ان آیات کے علاوہ بہت سی احادیث بھی مسلک جمہور کی مؤید ہیں۔ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں میں رکھ کر پھسل دیا جس کی وجہ سے وہ قتل ہو گئی تو نبی علیہ الصلوٰۃ نے بھی اس سے ایسے ہی قصاص لیا (منتقی)

علامہ شوکانی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"وفيه ايضا دليل على انه يجوز القود بمثل ما قتل به المقتول والیه ذهب الجمهور ويؤيد ذلك قوله تعالىٰ وان عاقبتم وقوله تعالىٰ فاعتدوا عليه وقوله تعالىٰ وجزٰؤا سيئة سيئة مثلها

(نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۹)

اسی طرح قبیلہ عکل کے افراد کو بھی نبی علیہ السلام کا قصاص مثل میں قتل کرنا جمہور کی تائید کرتا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "من حرق حرقناه ومن غرق غرقناه" (بیہقی) یہ حدیث اسنادی لحاظ سے محل نظر ہونے کے ساتھ اس کا پہلا حصہ اگرچہ موانع شرعیہ میں آسکتا ہے لیکن یہ بھی محل نظر ہے جیسا کہ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

لا يعذب بالنار الا رب النار صحيح اذا لم يحرق فان حرق حرق يدل عليه عموم القرآن قال الشافعي ان طرح فى النار عمدا طرح فى النار حتى يموت" (تفسیر قرطبی ج ۲ ص ۳۵۵)

یعنی قصاص نہیں بلکہ عمومی انتقام و سزا کے طور پر یہ مانع معتبر ہو گا چنانچہ موصوف ہی ابن ماجشون کے جواب میں فرماتے ہیں:

"وذهب الجمهور الى انه يقتل بذلك لعموم الآية" (الفیا ج ۲ ص ۳۵۸)

یعنی آگ اور زہر کے قصاص میں قاتل کو ویسے ہی قتل کرنا جمہور کا مسلک ہے۔ بہر حال دوسرے جزء سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ قصاص بالمثل جائز ہے۔ لیکن ان الفاظ کے متعلق یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ غرق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کی ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ محض عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے کیونکہ واضح الفاظ "جمع متکلم" کے ہیں واحد متکلم کا صیغہ نہیں۔ اس فرق کا علم اگر فاضل مضمون نگار کو نہ ہو تو کم از کم صرف کی ابتدائی کتب پڑھنی چاہییں کہ "اطلبوا العلم من المهد الى اللحد" کے تحت اس میں شرم و حیا کا کوئی واسطہ نہیں۔ مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ احناف اسی حدیث کو وجوب قصاص کی دلیل بناتے ہیں لیکن استیفائے قتل قصاص میں اس پر عمل نہیں کرتے۔ علامہ جزیری فرماتے ہیں:

"قد استدل احناف بهذا الحديث في وجوب القصاص ولم يعملوا به في الاستيفاء" (الفقہ علی المذاہب ج ۵ ص ۳۰۸)

بہر حال متعدد ایسے مقامات بطور استشہاد پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع متکلم کے صیغے کے ساتھ اپنی نسبت کی وساطت عام مسلمانوں کو مخاطب فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کے نزدیک یہ بات ایسے ہے تو جس بات کو نبی علیہ السلام امت مسلمہ کا اصول قرار دیں وہ تو قاعدہ کلیہ نہ ہو؟ اور جسے موصوف کا ضمیر تقلیدی قرائن سے ترجیح دے وہ قاعدہ مطردہ؟ تو فرمائیے کیا یہی "فلا وربك" "فليحذر" "من يشاقق الرسول" "ان تنازعتم" اور "اطيعوا" جیسے سینکڑوں فرامین الٰہیہ کا منشاء و مراد اور تقاضا ہے۔

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

**قود کا تحقق**

قاضی صاحب موصوف نے اپنی تحریر دلپذیر میں احناف کی تائید میں حدیث "لا قود الا بالسيف" کو پیش فرمایا ہے کہ اس میں قصاص صرف تلوار ہی سے کہا گیا ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ لفظ "سیف" کی تخصیص و تقیید کو موصوف نے خود یوں ختم کر دیا ہے کہ "یہاں سیف سے مراد "سلاح" ہے یعنی ہر وہ آہنی آلہ جو تلوار کی طرح چیر پھاڑ کر ٹکڑے کر سکتا ہو"۔ اس عموم سے معلوم ہوا کہ تلوار کے علاوہ "سوا" جیسے آہنی آلہ

سے قصاص لیا جا سکتا ہے۔" (ص ۱۱)

حالانکہ یہ اصول بھی احناف کے خلاف ہے لیکن ہم موصوف سے یہ سوال کرنے میں مجاز ہیں کہ سیف سے "سلاح" کا معنیٰ اور پھر اطلاق و عموم کس آیت یا حدیث کی بنا پر ہے اور اگر یہ آپ کو بھی تسلیم ہے تو جمہور کے نزدیک بھی تو یہی چیز ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

**موصوف کی وسعت نظر** حدیث "لا قود الا بالسیف" ابن ماجہ ص۱۹۶ پر دو سندوں سے مذکور ہے لیکن دونوں اسناد میں جابر اور مبارک بن فضالہ راوی ضعیف و مدلس ہیں۔ لیکن اس سے قطع نظر موصوف کے مبلغ علم اور وسعت نظر کا اندازہ اس سے لگائیے کہ بغیر شعوری طور پر وہ قود کے تحقق کو تلوار یا اس کے مثل آہنی آلہ سے خاص کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات ان کے بیان کردہ اصول کے خلاف ہی نہیں بلکہ علم لغت سے معمولی دلچسپی رکھنے والا مبتدی بھی جانتا ہے کہ قود کا تحقق اس تقیید کے علاوہ بھی ممکن ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں ہے

"اقاد عمرؓ من ضربة الدرة" اور حضرت علی کے متعلق ہے اقاد علی ابن ابی طالب من ثلاثة اسواط" (تفسیر قرطبی ج۲ ص۲۵۶)

تو کیا حضرت عمرؓ و علی رضی اللہ عنہما نے کوڑے کے بدلے تلوار سے بدلہ لیا تھا؟ بلکہ قود کا اطلاق اس وقت بھی درست ہوتا ہے جب کہ تلوار کے بغیر کسی اور آلہ سے قصاص لیا جائے۔

دراصل معلوم یوں ہوتا ہے کہ موصوف کو اس کے لغوی و اصطلاحی معنی میں مغالطہ ہوا ہے کیونکہ ویسے تو قود قصاص کو کہتے ہیں۔ لیکن مذکورہ حدیث میں اس کا محل دو وجہ سے ممکن ہے۔ اوّل یہ کہ اس وقت آخر قتل بالسیف تھا تو بالمثل بھی ویسے ہی ہونا تھا۔ چنانچہ آپ نے اغلب پہ محمول کرتے ہوئے یہ فرمایا: دوم قود اور سیف میں معنیٰ کا توسع ہو سکتا ہے جیسا کہ خود موصوف بھی تسلیم کرتے ہیں۔

**دوسری غلط فہمی** علم لغت میں عدم دسترس کے باعث موصوف کو دوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ انہوں نے سلاح کے ضمن میں تلوار کے تشابہ کو ضروری خیال کیا ہے۔ حالانکہ جب سیف کے معنی "ما یضرب به" میں خود اتنی وسعت ہے تو سلاح

میں تو بالا ولی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ ازہری کی تقیید کے باوجود علامہ زبیدی نے استشہاداً شعر پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ سلاح کا اطلاق عصا یعنی لاٹھی پر ہوتا ہے۔

ولست بعرفة عرك سلاحی  عصا مثقوبة تقمص الحمارا

**عود الی المقصود**

غرضیکہ قصاص میں مماثلت جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے الا یہ کہ کوئی شرعی مانع موجود ہو امام ابن العربی فرماتے ہیں۔

"والصحیح من اقوال علمائنا ان المماثلة واجبة" (قرطبی $\frac{358}{ج-2}$)

امام قرطبی احناف کے دلائل پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"والصحیح ما ذهب الیه الجمهور" (ایضاً $\frac{359}{ج-2}$)

**ائمہ کا عمل**

یہ تو آپ معلوم کر چکے ہیں کہ قرآن و سنت کے مطابق جمہور کا جو عمل ہے اس کے برعکس احناف کا مذہب کن دلائل پر کتنا قوی ہے؟ لیکن ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ احناف بعض اوقات بعض جزوی مسائل میں اس بات پہ بہت زور دیتے ہیں کہ فلاں فلاں تابعی نے یوں کہا لہٰذا ایسے کیوں ممکن نہیں؟ ہمارے لیے یہ بات اس وجہ سے اگرچہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ ہم کسی کے مقلد نہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ کائنات میں گذرے ہوئے، آنے والے اور موجود انسانوں کی اکثریت اگر کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ان کے متفقہ فتووں کے خلاف ہو تو ہمارے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہی قابلِ اطاعت، مشعل راہ اور باعث نجات ہوگا اور "مَا اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا" کا تقاضا بھی یہی ہے اور ہمیں اس بات پہ فخر ہے کہ ؎

ما اہل حدیثیم دغا را نہ شناسیم
بہ حدیث نبی چوں وچرا نہ شناسیم

اور اس کے بعد اگر کسی صحابی، امام، تابعی، بزرگ، ولی، قطب، ابدال یا بعد میں آنے والے کا قول اگر حدیث نبی کے مطابق ہو تو فبہا۔ ورنہ وہ مردود تصور ہوگا۔ اور اسے مطابق سنت اخذ کرنے کی صورت میں اصل مبنی سنت نبوی ہی سمجھا جائے گا اور اس کی تائید وغیرہ محض اضافی و اتفاقی امر ہوگا۔

لیکن احناف مقلدین کے نزدیک بہر صورت اپنے پیشرو حضرات کی طرح حدیثِ نبوی کو تو ترک کیا جا سکتا ہے لیکن اپنی رائے یا قولِ امام کو ترک نہیں کیا جا سکتا جس کی تائید میں متعدد امثلہ پیش

کی جا سکتی ہیں لیکن بخوفِ طوالت ہم اس مسئلہ میں اپنی طرف سے رائے زنی کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ علامہ قرطبی کے ریمارکس جو انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کے متعلق دیا ہے کو قارئین کی نظر کرنا بھی کافی سمجھتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ وہ فقہ حنفی کے مالہ وما علیہ کو اچھی طرح سمجھیں کہ تقلید کا اصل ہدف کیا ہے۔ علامہ قرطبی اس مسئلہ پر تفصیلی بحث لکھنے کے بعد رقمطراز ہیں:

"وهذا منه رد للكتاب والسنة واحداث ما لم يكن عليه امر الامة وذريعة الى دفع القصاص الذى شرعه الله للنفوس فليس عنه مناص" (قرطبی صفحہ ۲۵۶ ج ۲)

یعنی امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول و فتویٰ کتاب وسنت کے رد کرنے کے مترادف ہے اور اُمتِ مسلمہ کے متفقہ فیصلے سے بغاوت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے از راہ شریعت جس قصاص کو انسانوں پر لازم کیا ہے اُسے ختم کرنے کا بہانہ ہے حالانکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔

بہر حال ہم از راہ تفصیل یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متعدد اصحابِ علم کا بھی یہی خیال ہے کہ قصاص بالمثل ہوگا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔

۱۔ اخبرنا..... ابنانا اشياخنا الذين ادركوا النبى صلى الله عليه وسلم ان رجلا رمى رجلا بحجر فاقاده النبى صلى الله عليه وسلم به۔

۲۔ اخبرنا..... عن مرداس ان رجلا رمى رجلا بحجر فقتله فاتى به النبى صلى الله عليه وسلم فاقاده منه۔

۳۔ اخبرنا...... ان عبد الله بن مروان اقاد رجلا من رجل قتله بعصاً فقتله بعصاً۔ (سنن الکبریٰ ص ۴۳، ۶۲ ج ۸)

۴۔ عن اياس بن معاوية قال كل شئى يقتله فانه يقاد به نحو الحجر العظيم والخشبة العظيمة التى تقتل۔

۵۔ عن هشام بن عروة انه حدثه ان ابنا لصهيب اخذ ابنا لحاطب فضربه بخشبة معه حتى ظن انه قد قتله فذكر الحديث وانه مات منها وان الصهيبى دفع الى ولى حاطب فضربه بعصاً معه فى الراس حتى نظارت شؤون راسه فمات وعروة بن الزبير جالس لا ينكره۔

۶۔ قال قتادة ان قتل بحجر قتل بحجر وان قتل بخشبة قتل بخشبة وهو قول

ابان بن عثمان:

۷۔ عن میمون بن مهران ان یهودیا قتله مسلم بفهر فکتب میمون فی ذلک الی عمر بن عبد العزیز فکتب الیه عمر یامره بدفعه الی ام الیهودی فدفعه الیها فقتله بفهر۔

۸۔ قال مالک ان قتله بحجر او عصی او بالنار او بالتغریق قتل بمثل ذلک یکرر علیه ابدا حتی یموت" (محلی ابن حزم ص۳۷۱ ج۱۰)

بہر حال ان آثار و روایات جیسی مصنف عبد الرزاق میں دوسری عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ متفق علیہ بات یہی ہے کہ قصاص بالمثل ہوگا۔ امام ابن حزم ان آثار کو نقل فرمانے کے بعد رقمطراز ہیں کہ:

" وبه یاخذ مالک والشافعی وابو ثور واحمد بن حنبل واسحاق وابن المنذر واصحابهم وغیرهم" (محلی ص۳۷۱ ج۱۰)

**حصولِ مقصد**

اس کے علاوہ اگر عقلی طور پر بھی دیکھا جائے تو انسان کا طبعی تقاضا یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاتل کو اسی طرح قتل کیا جائے جس طرح اُس نے مقتول کو قتل کیا تھا۔ اور ولی قصاص کی تشفی جو کہ قصاص کا اصل مقصد ہے وہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری فرماتے ہیں:

"ولان المقصود من القصاص التشفی وانما یکمل اذا قتل بمثل ما قتل"

(الفقہ علی المذاہب الاربعہ ص۳۰۶ ج۵)

لیکن نامعلوم ولی قصاص کو حق عفو سے اسی بنا پر محروم کرنے والے کہ اُسے نابالغ یا مجنون کے حق کا اسقاط حاصل نہیں کیونکہ اسی طرح تشفی کا حصول ناممکن ہے۔ اس مقام پر حصولِ تشفی کی خاطر اس تمثیلی اقدام سے کیوں گریزاں ہیں۔ کیا محض مخالفت تو مقصود نہیں کما مر۔ بہر حال مے

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

**شرعی موانع**

شرعی موانع میں بعض نے از راہ معارضہ اگرچہ حدیث ہی یعنی " لا یعذب بالنار الا رب النار" کو بھی پیش کیا ہے جس کی توجیہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ مکافاتِ عمل میں مانع نہیں بلکہ اقدامِ عمل میں مانع ہے جیسا کہ علامہ جزیری بھی مسئلہ کے تحت فرماتے ہیں:

"وحديث النهي عن المثلة محمول على من وجب قتله لا على وجه المكافات" (الفقه على المذاهب ج ۵ ص ۳۰۶)

دوسرا مانع بعض نے لواطت کو شمار کیا ہے یعنی لواطت چونکہ نصاً حرام ہے لہٰذا اس کے ذریعے قصاص نہیں لیا جا سکتا۔ اور اسی طرح شراب کا مسئلہ ہے۔ علمائے جمہور ایسی صورت میں قاتل کو تلوار سے قتل کرنے قائل ہیں اور شوافع کے نزدیک اصول مماثلت کے تحت لواطت کا کام لکڑی سے اور شراب کا کام پانی سے لیتے ہوئے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

"...... وهو قول الجمهور مالم يقتله بفسق كاللوطية واسقاء الخمر فيقتل بالسيف وللشافعية قول انه يقتل بذلك فيتخذ عود على تلك الصفة ويطعن به في دبره حتى يموت ويسقى عن الخمر ماء حتى يموت"

(تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۳۵۸)

اس مقام پر جمہور کا مذہب اس وجہ سے صحیح معلوم ہوتا ہے کہ لواطت کی حد تو مقرر ہے لہٰذا اسے وہی سزا دی جائے گی۔ علامہ جزیری فرماتے ہیں۔

"اما لو ثبت اللواط باربعة شهود فيكون حده الرجم بالحجارة حتى يموت وكان غير محصن"۔ (الفقہ علی المذاہب ج ۵ ص ۳۰۷)

اور جہاں تک شراب کا تعلق ہے وہ چونکہ نص صریح سے حرام ہے لہٰذا ایسے شخص کو کثرت سے پانی پلا کر ختم کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ ایک مانع جادو کو بھی سمجھا گیا ہے چنانچہ یہاں بھی عدم مماثلت کے تحت جمہور کا قول ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کی بھی حد معلوم و متعین ہے جس سے اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے علامہ جزیری فرماتے ہیں:

"وكذلك بالسحر وثبت عليه بالبينه او اقرار فيتعين قتله بالسيف ولا يلي بفعل السحر مع نفسه حتى يموت لان الامر بالمعصية معصية"

(الفقہ علی المذاہب ج ۵ ص ۳۰۷)

ان موانع کے علاوہ بعض نے کثرت طعام، بھوک، پیاس وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے اور ایسی صورتوں میں بعض نے کہا ہے کہ ان کو تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا۔ وللتفصيل الفقه على المذاهب للجزيري

وتفسیر قرطبی۔ واللہ اعلم

## ایک مفروضہ

قاضی صاحب موصوف نے اپنے زورِ قلم سے ایک مفروضہ کے ذریعہ بھی احناف کے موقف کو مضبوط کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے تلوار کے علاوہ قصاص لینے کی صورت میں ایک دفعہ سے قتل نہ ہو تو پھر دوبارہ وار کیا جائے گا۔ یعنی متعدد ضربات وجود میں آئیں گی اب اگر ایک ضرب کے بعد مجرم کو ترک کر دیا جائے تو قصاص ممکن نہ ہوگا اور بصورتِ دیگر مماثلت قائم نہ ہو گی اور تعدی ہو گی۔ حالانکہ موصوف کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جو معارضہ انہوں نے جمہور کے مسلک کے ضمن میں تعدد ضربات کا پیش کیا ہے وہی معارضہ قصاص بالسیف کی صورت میں متحقق ہو سکتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے گولی یا پتھر وغیرہ سے قتل کیا تو قصاص میں اسے تلوار سے قتل کرنے میں مماثلت نہ ہو گی اور ممکن ہے کہ تلوار سے قتل کرنے کی صورت میں نقص آلہ یا قصور جلّاد کی وجہ سے وہ ضرب واحد میں قصاصاً قتل نہ ہو سکے تو بھی خون بغیر بدلہ کے رہ جائے گا یا تعدد ضربات معرضِ وجود میں آئیں گی۔ فما کان جوابکم فھو جوابنا۔

## شرعی ہدایت

موصوف نے اپنی تحریر میں بڑے پُرفریب الفاظ میں کہا ہے کہ شرعی ہدایت بھی ہے کہ جانور کو آسان طریقہ سے قتل کیا جائے اور آلہ قتل کو اچھی طرح درست کر لیا جائے لیکن اس مقام پر مذکورہ حدیث سے استدلال خود فریبی کے مترادف ہے کیونکہ واضح ہے کہ اس حدیث کا محمل اور مابہ النزاع مسئلہ میں بُعد المشرقین ہے اور اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل یہودی کے ساتھ کیا اس کا کیا حکم ہو گا؟ اسی طرح وفدِ عرینہ و عکل کے متعلق سلوک پر کیا فتویٰ ہے؟ اور رجم کی سزا بھی کیا اس شرعی ہدایت کے منافی نہ ہو گی؟ نیز موصوف "یصلبون" کے تحت پھانسی کی جو تعریف رقم فرما چکے ہیں کیا وہ بھی اس شرعی ہدایت کا تقاضا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ صرف قولِ امام کو صحیح اور راجح ثابت کرنے کی ناکام و مذموم کوشش ہے ورنہ اس سے قطع نظر اگر مقتضائے شریعت اور قرآنی سیاق و سباق کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اصل منتہائے احسان یہ ہے کہ اسی طرح بدلہ لیا جائے چنانچہ امام حزم فرماتے ہیں:

"وھذا صحیح وغایۃ الاحسان فی القتلۃ ھو ان یقتلہ بمثل ما قتل ھو وھذا ھو عین العدل والانصاف والحرمات قصاص" محلی ص ۳۷۵ ج ۱۰)

اور بالخصوص جب موصوف خود تلوار جیسے آہنی آلہ کو قصاص میں آلہ قتل تسلیم کرتے ہیں تو پھر

شرعی ہدایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔

**قولہ** اکراہ تام میں فعل جبر کرنے والے کی طرف ان تمام صورتوں میں منسوب ہوگا جن کے اندر مجبور شخص صرف ایک آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور جن کے اندر صلاحیت نہ رکھے ان صورتوں میں فعل مجبور کی طرف منسوب ہوگا یعنی جماع اور اقوال کے اندر مجبور آلہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس لیے کہ کوئی دوسرے کے منہ سے کلام نہیں نکلوا سکتا۔ (دفعہ ۱)

**اقول** دراصل موصوف کو اکراہ تام وغیرہ کی تعریف سے مغالطہ ہوا ہے ورنہ ہر ایک جانتا ہے کہ اکراہ کا تحقق جماع اور کلام میں بھی ممکن ہے ورنہ اکراہ کی اصطلاح ختم کرنا ہوگی اور کسی کے ہاتھ سے کوئی قتل اور چوری وغیرہ کیسے کروا سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الہمام نے فتح القدیر یا مبسوط الایضاح اور الوافی وغیرہ میں اکراہ کی جو تعریف کی گئی ہے ان میں یہ لفظ مشترک ہے کہ:

"واما فی اصطلاح الفقهاء فقد ذکر فی المبسوط ان الاکراه اسم لفعل یفعله المرء بغیره فینتفی به رضاه او یفسد به اختیاره من غیر ان ینعدم به الاهلیة فی حق المکره" فتح القدیر ج۷ ص۲۹۲)

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ خصوصی توجہ کے محتاج ہیں کہ اس تعریف کے پیش نظر جماع و اقوال میں جب انتفاء رضا یا فسد اختیار بغیر انعدام صلاحیت کے ممکن ہو تو ان پر اطلاق اکراہ یا اس کا تحقق کیوں ناممکن ہے؟ اور خود قاضی صاحب اس تعریف کی یوں ترجمانی فرماتے ہیں۔ "اکراہ تام ہو یا ناقص اس سے مجبور کی رضا ختم ہوجاتی ہے"

علاوہ ازیں اقوال کے سلسلہ میں ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ کلام الٰہی میں بھی اکراہ کا اطلاق ہوا ہے۔ یعنی "ومن اکره وقلبه مطمئن بالایمان"۔ اس آیت کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے غالباً اسی وجہ سے علامہ ابن الہمام حنفی نے اس آیت کو بطور استشہاد پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔ "فان اکره علی الکفر بالله تعالیٰ والعیاذ بالله او سب رسول الله صلی الله علیه وسلم بقید او حبس او ضرب لم یکن ذلک اکراها حتی یکره بامر یخاف منه علی نفسه وعلی عضو من اعضائه" (فتح القدیر ج۷ ص۲۹۹)

موجب اکراہ کی تفریق تو یہاں اگرچہ ناقابل فہم ہے تاہم دیکھنا یہ ہے کہ کیا کفر کا اطلاق قول پر بھی ہوتا ہے یا نہیں اور اسی طرح کیا سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی قول کے علاوہ تحقق پذیر

ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ یقیناً اس کا جواب جب اثبات میں ہے جیسا کہ موصوف نے دفعہ ۱۳ میں تسلیم کیا ہے تو پھر موصوف کا یہ کہنا کہ افزال میں نسبت مجبور کی طرف ہو گی علمی بے مائیگی ہی کا مظہر ہو گا۔

اور دوسری صورت یعنی جماع میں اگرچہ آلۂ تناسل کا انتشار و استادگی مشعر بالرضا ہے لیکن یہ بھی محض سطحیت ہے اور یقیناً عدم رضا کی شرط یا شق بھی تعریف اکراہ میں اسی قسم کے سطحی ذہن کے اطمینان کے لیے رکھی گئی ہے لیکن موصوف کے وسعتِ مطالعہ پر آپ جتنی داد دیں کم ہے کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ اکراہ علی الجماع کی ایک صورت میں تو تمام کا اتفاق ہے جس کی نسبت سلطان کی طرف ہو گی۔ البتہ غیر سلطان میں اختلاف ہے لیکن اس میں بھی صرف امام ابو حنیفہؒ ہی منفرد ہیں۔ چنانچہ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری اس تفصیل کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ومن اکرہ السلطان حتی زنا بامرأۃ فلا حد علیہ لان السبب الملجی الی الفعل قائم وھو قیام السیف وکذا المرأۃ المکرھۃ لا تحد بالاجماع فان حصل الاکراہ من غیر سلطان اختلف فیہ........ الشافعیۃ والمالکیۃ والحنابلۃ والصاحبان قالوا لا یقام الحد علی المکرہ بغیر سلطان.

(الفقہ علی المذاھب ج ۵ ص ۷۰)

یعنی ائمہ ثلاثہ کے علاوہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک بھی امور بالا میں اکراہ متحقق و معتبر ہو گا۔

**قولہ** اکراہ ناقص سے وہ اکراہ مراد ہے جس میں قتل نفس، قطع عضو یا اعضاء یا کل مال لینے سے کم درجہ کی دھمکی دی گئی ہو اور ایسی صورت میں عمل کرنے پر حد مجبور پر ہو گی اور جابر کو محض تعزیری سزا ہو گی"۔ (دفعہ ۱۱)

**اقول** کیا دو تہائی مال پر اکراہ کا اطلاق نہ ہو گا ؟ تحفظ عزت بھی اکراہ ناقص کے تحت غیر معتبر ہو گا ؟ حبس دوام بھی اکراہ کے دائرے میں شامل نہیں ؟ اور کیا ضرب شدید سے بھی اکراہ تام کا تحقق ممکن نہیں ؟ اور کیا ان کا غم اضطرار کو واجب نہیں کرتا ؟ علاوہ ازیں موصوف فرماتے ہیں "اکراہ کی یہ قسم ان امور میں موثر ہو گی جو رضا پر موقوف ہیں، حالانکہ جب موصوف ہی کے اعتراف کے مطابق اکراہ ناقص سے بھی رضا معدوم ہو جاتی ہے تو پھر اس نوٹ کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے ؟

**اکراہ سے اباحت** اس چیز میں اختلاف نہیں کہ اکراہ سے محرمات کی اباحت بھی مشعر ہوتی ہے کہ "الا من اکرہ" اور "الا ما اضطررتم الیہ" کے

الفاظ کا یہی تقاضا ہے۔ قاضی موصوف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایسی اباحت پر عمل نہ کرے تو گنہگار ہوگا یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت کو قبول نہیں کیا۔ اور اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ (ملخصاً)

لیکن یاد رہے یہاں مسئلے کی صورت ارتکاب اباحت اور عزیمت کے انتخاب سے متعلق ہے چنانچہ اگر کوئی شخص ارتکاب اباحت کرتا ہے تو بھی درست اور اگر کوئی عزیمت و استقلال کا مظاہرہ کرتا ہے تو اسے گنہگار کہنا یقیناً گنہگار ہونے کے مترادف ہے کہ ایسی صورت میں ان صحابہ و ائمہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق کیا خیال ہوگا، جنہوں نے ارتکاب اباحت پر عزیمت کو ترجیح دی۔ اس موقعہ پر موصوف نے غیر شعوری طور پر صحابہ کرام کی گستاخی کا ارتکاب کیا ہے جس پر انہیں معافی مانگنی چاہیے۔

علاوہ ازیں موصوف تشریح ۳ میں خود فرماتے ہیں، جرائم پر اکراہ کے مقابلے میں عزیمت کا مظاہرہ کرنا چاہیے کیونکہ کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے سے بہتر ہے کہ خود کو خاطر پیش کر دیا جائے۔ حالانکہ وہ بھی ارتکاب اباحت میں شامل ہے۔ اور پھر کیا فرماتے ہیں قاضی باغ بیچ اس مسئلہ کے کہ اگر کسی شخص کو مجبور کیا جائے کہ تم فلاں معین شخص کو قتل کرو۔ لیکن وہ اس کے قتل کے عوض اپنے آپ کو قتل کر لیتا ہے (آپ کے ارشاد کے مفہوم کے مطابق) کیا وہ شہید ہوگا یا خودکشی کا مرتکب۔ بینوا توجروا۔

**قولہ** مجبور مقتول مورث کی وراثت سے محروم نہ ہوگا اور جابر محروم ہوگا اور یہ اختلاف مذکورہ اختلاف کی نسبت پر مبنی ہے۔ (ملخص دفعہ ۱۳)

**اقول** جب یہ بات نصاً ثابت ہو چکی ہے کہ اکراہ کی صورت میں نسبت فعل جابر کی طرف ہوگی تو یقیناً مجبور محروم از وراثت نہ ہوگا اور جابر کی طرف تحقق نسبت کی بنا پر وہ شرعاً وراثت مقتول سے محروم ہوگا۔ کیونکہ موانع وارث میں یہ بھی شامل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"من قتل قتيلا فلا يرثه وان لم يكن له وارث غيره وان كان والده او ولده فليس للقاتل ميراث"۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:۔

"اجمع اهل العلم على ان قاتل العمد لا يرث من المقتول شيئا..."

(مغنی ج ۷ ص ۱۶۱)

اور قتل خطا میں بھی جمہور کا یہی مسلک ہے چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:۔

"فاما القتل خطأً فذهب کثیر من اهل العلم الیٰ انه لایرث ایضاً نص علیه احمد ویروی ذلک عن عمر وعلی وزید وعبد اللّٰه بن مسعود وعبد اللّٰه بن عباس وروی نحوه عن ابی بکر رضی اللّٰه عنهم وبه قال شریح و عروۃ وطاؤس وجابر بن زید النخعی والشعبی والثوری وشریک والحسن بن صالح ووکیع والشافعی ویحیی بن اٰدم واصحاب الرایٰ"

(مغنی ج ۷ ص ۱۶۱)

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں کہ ہر قتل جو بغیر حق کے ہو وہ مانع ارث شمار ہوگا۔ ان کے الفاظ ہیں:۔

"والقتل المانع من الارث هو القتل بغیر حق وهو المضمون بقود او دیة او کفارۃ کالعمد وشبه العمد والخطأ وما جری مجری الخطأ" (ایضاً)

اس بحث کی تفصیل اور مانع ارث کی حیثیت سے جزوی اختلاف کی وضاحت اپنے مقام پہ بیان ہوگی۔ انشاء اللّٰہ العزیز۔

---


## تصنیفات للامام ابن قیمؒ

اعلام الموقعین۔ مدارج السالکین، حادی الارواح الیٰ بلاد الافراح، اغاثۃ اللہفان، طریق الہجرتین و باب السعادتین، تحفۃ الورود فی احکام المولود، الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی ــــ

مجمع الزوائد، سبل السلام، الترغیب والترہیب، نیل الاوطار، تفسیر در منثور، تفسیر جامع البیان تفسیر فتح القدیر، ابن کثیر، الخازن مع المدارک، الطبقات الکبریٰ لابن سعد۔ الملل النحل، الدر المختار، المحلی لابن حزم بتحقیق احمد شاکر۔ الدین الخالص، کشف المغطیٰ عن کتاب الموطا للنواب صدیق الحسن خاں، نور الہدایہ شرح الوقایہ لوحید الزمان، شرح المنار المسمیٰ بنور الانوار، سیرۃ النبوی لابن ہشام، مظاہر حق شرح مشکوٰۃ اردو۔

آپ اپنی کوئی کتاب بیچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرمائیے

عبد الرحمٰن عاجز۔ رحمانیہ دار الکتب امین پور بازار فیصل آباد۔ فون 32916